سُورۃ البقرۃ

آیت ۹۰

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱، الاعراب کیلئے ۲، الرسم کیلئے ۳ اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲:۵۵ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى
غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹۰

۲:۵۵:۱ اللغۃ

اس پوری آیت میں لغوی لحاظ سے تشریح طلب نئے لفظ صرف تین ہیں، یعنی بئسَ۔ بغیًا اور مُھِین۔ باقی تمام کلمات اسی (موجودہ) یا دوسری شکل میں پہلے گزر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ

یہاں پہلا مکمل نحوی جملہ خاصا طویل بنتا ہے لہٰذا ہم اس کے بھی مناسب اجزاء لے کر ان کی وضاحت کریں گے۔ گزرے ہوئے الفاظ کا صرف ترجمہ اور صاحبِ ضرورت کے لیے لغوی تشریح کا گزشتہ حوالہ لکھے جائیں گے۔

۲:۵۵:۱ (۱) [بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ] کلمات کی تفصیل یوں ہے:

① "بِئْسَمَا" دو کلمات پر مشتمل ہے "بِئْسَ" اور "مَا"۔ اس میں "مَا" تو موصولہ ہے۔ ابتدائی لفظ "بِئْسَ" کی لغوی تشریح یوں ہے کہ "بِئْسَ" کا مادہ "ب ء س" اور وزن "فِعْلَ" ہے۔ یعنی یہ ایک فعل جامد ہے جس پر ہم ابھی بات کریں گے۔ اس مادہ میں بنیادی مفہوم "بہت ہی برا ہونے" کا ہے۔

● اس مادہ سے فعل مجرد دو طرح استعمال ہوتا ہے (۱) بَئِسَ یَبْأَسُ بَأْسًا وَبُؤْسًا (سمع سے) کے معنی ہیں: "بُری طرح مفلس اور سخت حاجت مند ہونا"۔ اس سے اسم الفاعل "بَائِسٌ" بطور اسم صفت "غریب بہت ہی حاجت مند" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۲) اور "بَؤُسَ یَبْؤُسُ بَأْسًا وَبَأْسَةً" (کرم سے) کے معنی ہیں: "برائی میں نہایت سخت اور شدید ہونا" اور یہ "بہادر ہونا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس سے صفت مشبہ "بَئِیْسٌ" "بہت ہی سخت" اور "شدید بُرا" کے معنی میں استعمال ہوتی ہے قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے کسی قسم کا صیغۂ فعل کہیں نہیں آیا۔ البتہ اس مادہ سے باب افتعال کا ایک ہی صیغۂ فعل (نہی) "لَا تَبْتَئِسْ" قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے اس کے علاوہ اس مادہ سے مشتق و ماخوذ اسماء و مصادر (بأس، الباساء، بائس، بئیس وغیرہ) تیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں جن پر حسبِ موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ

● زیر مطالعہ لفظ "بِئْسَ" اس مادہ سے ماخوذ ایک فعل جامد ہے۔ جامد وہ فعل ہوتا ہے جس کی صرف ایک ہی صورت (بغیر گردان کے) استعمال ہوتی ہے۔ عموماً یہ فعل ماضی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض افعال جامدہ "فعل امر" کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ "بِئْسَ" ان افعال جامدہ سے ہے جو فعل ماضی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس طرح "بِئْسَ" کا اصل ترجمہ تو ہے "وہ بُرا ہوا" یعنی یہ "سَاءَ" کے ہم معنی ہے۔ یہ فعل خصوصاً "ذَمٌّ" (برائی کرنا) کے لیے استعمال ہوتا ہے (جس طرح "نِعْمَ" "مدح" کے لیے استعمال ہوتا ہے) اس طرح "بِئْسَ" کا بامحاورہ ترجمہ بنتا ہے "کتنا ہی بُرا ہے / کیا ہی بُرا ہے / بہت ہی بُرا ہے" اور یہ لفظ ہر طرح کی برائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک اسم آتا ہے جو اگر معرف باللام ہو یا کسی معرف باللام کی طرف مضاف ہو تو مرفوع آتا ہے۔ مثلاً "بِئْسَ الرَّجُلُ فُلَانٌ" (فلاں کتنا برا آدمی ہے) یا "بِئْسَ ابْنُ الرَّجُلِ فُلَانٌ"

فلاں تو (اس) آدمی کا بہت ہی برا بیٹا ہے۔

● اگر اس کے بعد کوئی اسم نکرہ آئے تو وہ تمیز ہو کر منصوب آتا ہے، جیسے "بئس رجلاً" (وہ کتنا برا ہے بلحاظ مرد ہونے کے)۔ بعض دفعہ "بئس" کے بعد "مَا" بطور نکرہ (شیئًا کے معنی میں) بطور تمیز آتا ہے۔ (جیسے یہاں آیا ہے) اس صورت میں "بئسما" کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "کتنا بُرا ہے بلحاظ چیز ہونے کے وہ جو کہ" تاہم اس کا بامحاورہ اردو ترجمہ "کتنا / بہت ہی برا ہے وہ جو" سے ہی کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (بئس) چالیس جگہ آیا ہے۔ ان میں سے ۹ جگہ یہ "مَا" کے ساتھ آیا ہے، صرف ایک جگہ (الکھف: ۵۰) اس کے ساتھ نکرہ تمیز لفظ "بدلاً" کی صورت میں آئی ہے، باقی تیس مقامات پر اس کا اسم معرف باللام آیا ہے جن میں سے چار جگہ معرف باللام کی طرف مضاف ہو کر آیا ہے۔ زیر مطالعہ عبارت میں "بئسما" کا ترجمہ "بہت ہی برا ہے جو / کیا ہی برا ہے جو ہو سکتا ہے" بعض نے "وہ جو" کی بجائے وضاحت کے لیے "وہ مول جو / وہ معاوضہ جو / وہ حالت جو / وہ بدلہ جو / وہ چیز جو" سے ترجمہ کیا ہے جس کی مناسبت اگلے فعل (اشتری) سے بنتی ہے۔

(۴) "اِشْتَرَوْا" (انہوں نے خریدا / بیچا) اس کا مادہ "ش ر ی" اور وزن اصلی "اِفْتَعَلُوْا" ہے۔ اس سے فعل مجرد کے علاوہ باب افتعال سے اس کے معانی پر، اور خود لفظ "اشتروا" کی ساخت اور اس میں ہونے والی تعلیل وغیرہ پر البقرہ: ۱۶ [۲: ۱۲: ۱: (۱)] میں بات ہوئی تھی۔

● زیر مطالعہ عبارت میں اس فعل کے استعمال کے سلسلے میں دو باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے (۱) فعل مجرد "شَرَی یَشْرِی" کے بنیادی معنی "بیچنا" (باع) ہیں، مگر کبھی یہ "خریدنا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اسی طرح (۲) "اشتری یشتری" کے بنیادی معنی "خریدنا" (ابتاع) ہیں تاہم بعض دفعہ یہ فعل "بیچنا" کے معنی بھی دیتا ہے۔ گویا یہ لغت اضداد میں سے ہیں۔ تاہم ہر ایک پر ایک معنی غالب ہیں اور دوسرے معنی کم استعمال ہوتے ہیں، مگر ہوتے ضرور ہیں۔

● خاص اس (زیر مطالعہ) آیت میں بیشتر مفسرین نے "اشتروا" کے معنی "بیچنا" مراد لیے ہیں اور ان کے اتباع میں ہمارے بہت سے اردو مترجمین نے بھی اس کا ترجمہ "بیچا ہے / بیچ ڈالا ہے" سے کیا ہے اور مطلب اس کا یہ بنتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری جسمانی و ذہنی صلاحیتیں اس (کفر) کے لیے کھپا دیں (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے)۔ البتہ بعض نے اس کا ترجمہ غالب لغوی معنی کے ساتھ کیا ہے یعنی "خریدا / مول لیا / خرید کیا" کی صورت میں۔ جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ انہوں نے اپنی دانست یا زعم میں اپنی جانوں / اپنے آپ کو چھڑا لیا (عذاب سے)۔ (جو فریبِ نفس ہے)

اسی لیے بعض مترجمین نے یہاں 'ما' کا ترجمہ ہی 'وہ حالت جو' اور 'اشتروا' کا ترجمہ '. . کو اختیار کیا/کرکے" سے کیا ہے کیونکہ خرید و فروخت میں بھی ہر شخص ایک چیز ہی "اختیار" کرتا ہے۔

(۳) "بہ" یہ باء (ب) وہی صلہ ہے جو فعل "اشتری" کے ساتھ "معاوضہ، قیمت، یا بدلہ" پر لگتا ہے جو خریدی یا بیچی ہوئی چیز کی قیمت یا فروخت کے طور پر دی یا لی جائے۔ اور ضمیر مجرور "ہ" دراصل "بئسما" والے "ما" کی عائد ضمیر ہے۔ ترجمہ ہوگا "جس کے ساتھ/جس کے عوض/اس کے معاوضہ میں"

(۴) "انفسھم" (ان کی/اپنی جانوں کو)۔ "انفس" (جو نفس کی جمع ہے) کی لغوی تشریح البقرہ:۹ [۲:۸:۱(۴)] میں گزر چکی ہے۔

● اس طرح زیر مطالعہ پوری عبارت (بئسما اشتروا بہ انفسھم) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "کتنی بری ہے وہ چیز جو کہ بیچ دیا/خرید لیا/انہوں نے اس کے بدلے میں اپنی جانوں کو"۔ پھر اسی کی بامحاورہ صورتیں ہیں: "برے مول خریدا اپنی جانوں کو/کس برے مولوں انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا/برا مول ہے جس کے بدلے خریدا انہوں نے اپنی جانوں کو/کیا ہی برا معاوضہ ہے جس کے بدلے ان لوگوں نے (اپنے نزدیک) اپنی جانوں کو خرید کیا" یا بیچ ڈالا کے معنی میں "برا ہے جو کچھ بیچا ہے بدلے اس کے اپنی جانوں کو/بری ہے وہ چیز جس کے بدلے بیچا انہوں نے آپ کو/برے بدلے پر انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا/جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا وہ بہت بری ہے/بری ہے وہ چیز کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے"۔ آپ نے دیکھا (بیچا یا خریدا کے فرق کے علاوہ) سب تراجم کا مفہوم ایک ہی ہے، بس الفاظ کا انتخاب اپنا اپنا ہے جس پر آپ تنقید بھی کر سکتے ہیں اور خوب سے خوب تر کی تمیز بھی کر سکتے ہیں۔ بظاہر یہ جملہ اپنی جگہ مکمل نحوی جملہ ہے مگر اس سے اگلے جملے میں اس جملے کے "ما" اور "بہ" کی وضاحت کی گئی ہے لہٰذا وہ بھی اس کا حصہ ہی سمجھا جائے گا۔

۲:۵۵:۱(۲) [اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ] اس عبارت میں کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ ذیل میں ہر ایک کلمہ کا الگ الگ ترجمہ مع گزشتہ حوالہ دیا جاتا ہے۔

(۱) "اَنْ" (یہ کہ/کہ) اس لفظ کے استعمالات پر البقرہ:۲۶ [۲:۱۹:۱(۲)] میں بات ہوئی تھی۔

(۲) "یکفروا" (وہ کفر کریں/انکار کردیں) عبارت کے سیاق میں اس کا ترجمہ بصیغۂ ماضی "منکر ہوئے/ہو گئے" سے بھی ہو سکتا ہے اور یہی ماضی کا مفہوم "انکار کرنے لگے، لگے انکار کرنے/کفر کرنے لگے" کے ذریعے بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے فعل حال کی صورت میں "انکار کرتے ہیں/کفر

کرتے ہیں“ سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ "یکفروا" کے صیغہ مضارع میں اور بیان واقعہ کے سیاق میں تمام تراجم اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ فعل "کفر یکفر" کے باب معنی اور استعمال کے لیے دیکھئے البقرہ:۶ [۲:۵:۱(۱)]

(۳) "بِمَا" کی "باء (بِ)" تو وہ صلہ ہے جو فعل "کفر" کے مفعول پر لگتا ہے (دیکھئے مندرجہ بالا حوالہ)۔ اور "مَا" یہاں موصولہ ہے۔ دیکھئے [۲:۲:۱(۵)] اس طرح "بما" کا ترجمہ بنتا ہے" اس پر جو کہ/ اس کا جو کہ/ اس سے جو کہ/ اس چیز کا جو کہ۔

(۴) "انزل اللہ" (نازل کیا/ اتارا/ اتاری اللہ نے)۔ اسم جلالت کی لغوی بحث "بسم اللہ" [۱:۱:۱(۲)] میں گزری تھی۔ فعل "اَنْزَلَ" (جو باب افعال کا صیغہ ماضی ہے) کے مادہ، باب اور معنی و استعمال پر البقرہ:۴ [۲:۳:۱(۲)] میں بات ہوئی تھی۔

● اس طرح اس عبارت کا ترجمہ بنا "یہ کہ وہ منکر ہو گئے اس کے جو اللہ نے نازل کیا" بعض نے "مَا" کو مصدریہ قرار دے کر "بما انزل اللہ" کا ترجمہ "اللہ کے اتارے سے/ اللہ کے اتارے (کلام) سے" کیا ہے اور بعض نے اسے مزید با محاورہ کرتے ہوئے "اللہ کی/ خدا کی اتاری ہوئی/ نازل کی ہوئی کتاب" کیا ہے۔ اس میں کلام یا کتاب وغیرہ کے الفاظ تفسیری اضافے ہیں بعض نے ابتدائی "اَنْ" کو مصدریہ قرار دے کر "ان یکفروا" کا ترجمہ "... کا انکار کرکے" سے کیا ہے۔ اس سے اگلے جملہ میں ان کے کفر کی وجہ بیان ہوئی ہے۔ اس لیے وہ بھی اسی جملہ کا حصّہ ہے۔

۲:۵۵:۱(۳) [بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ] اس عبارت میں نیا لفظ صرف "بَغْيًا" ہے، باقی کلمات کا ترجمہ اور اشارۃً گزشتہ حوالہ ذکر کر دیا جائے گا تاکہ جو چاہے رجوع کرلے:

(۱) [بَغْيًا] کا مادہ "ب غ ی" اور وزن "فَعْلٌ" ہے (جو عبارت میں منصوب یعنی "فَعْلًا" آیا ہے) اس مادہ سے فعل مجرد باب ضرب سے آتا ہے مگر مختلف مصادر کے ساتھ مختلف معنی دیتا ہے مثلاً (۱) "بغی یبغی بَغْیًا" کے معنی ہیں "سرکشی کرنا، راہِ حق سے انحراف کرنا" مثلاً "بغی الرجلُ" (آدمی نے سرکشی کی)، جس کے خلاف سرکشی کی جائے اس پر "علیٰ" کا صلہ لگتا ہے، جیسے "فَبَغٰی علیھم" (القصص:۷۶) میں ہے (یعنی اس (قارون) نے ان لوگوں (اپنی قوم) کے خلاف سرکشی اختیار کی)۔ اسی مصدر کے ساتھ اس فعل کے ایک معنی "زخم کا بہت ہی بگڑ جانا" بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں "بَغَی الجرحُ" (زخم میں ورم آگئی اور پیپ پڑ گئی)۔ تاہم یہ آخری استعمال قرآن کریم میں نہیں آیا۔

(۲) "بَغٰی یَبغِی بُغْیَۃً" کے معنی "طلب کرنا، تلاش کرنا" ہوتے ہیں۔ اس کا مفعول (جو چیز طلب کی جائے) بنفسہ آتا ہے جیسے "ولا تبغ الفساد فی الارض" (القصص: ۷۷) میں ہے (یعنی زمین میں فساد طلب نہ کر)۔ بعض دفعہ اس فعل کے دو مفعول بھی آتے ہیں (جسے طلب کیا جائے اور جس کے لیے طلب کیا جائے)۔ اس صورت میں دونوں مفعول بنفسہ آتے ہیں جیسے "یبغونکم الفتنۃ" (التوبہ: ۴۷) میں ہے (یعنی وہ تمہارے لیے فتنہ اور گڑبڑ کی تلاش میں رہتے ہیں)۔ ویسے "چاہنا، طلب کرنا، تلاش کرنا" کے لیے مجرد فعل کی نسبت باب افتعال (ابتغی یبتغی) زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

● قرآن کریم میں اس فعل مجرد (بغی یبغی) سے مختلف صیغہ ہائے فعل پچیس جگہ آئے ہیں۔ ان میں سے ۹ جگہ یہ فعل "سرکشی اور بغاوت کرنا" کے معنی میں اور ۱۶ جگہ "چاہنا، طلب کرنا، ڈھونڈنا" کے میں استعمال ہوا ہے۔ تفصیل اپنی اپنی جگہ آئے گی۔

(۳) "بَغٰی یَبغِی بِغاءً" کے معنی ہیں "عورت کا بدکاری کو بطور پیشہ اختیار کرنا یا بہت ہی بدکار ہونا"۔ کہتے ہیں "بغتِ المرأۃُ" (یعنی عورت نے ایسا کیا)۔ بدکار عورت کو "بَغِیٌّ" (بغیر تائے تانیث صرف "فعیل" کے وزن پر) کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان معنی میں کوئی صیغۂ فعل تو کہیں نہیں آیا، البتہ "البغاء" (مصدر) اور "بغی" (اسم صفت) ایک دو دفعہ آئے ہیں۔

● اس فعل مجرد سے افعال کے مذکورہ بالا (۲۵) صیغوں کے علاوہ اس فعل سے ماخوذ اور مشتق اسماء اور مصادر وغیرہ (بَغِیٌّ، باغ وغیرہ) مختلف حالتوں میں سترہ جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے باب افتعال سے صیغہ ہائے فعل اور مصدر قریباً پچاس جگہ اور باب انفعال سے صیغۂ فعل "یَنْبَغِی" بطورِ فعل منفی (لا یا ما کے ساتھ) بھی چھ جگہ آیا ہے۔ ان سب پر حسب موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

● زیر مطالعہ لفظ "بَغْیًا" مذکورہ بالا استعمال ۱ (سرکشی کرنا) کا مصدر ہے۔ اس کی نصب پر تو "اعراب" میں بات ہوگی۔ یہاں اس کا ترجمہ تو بنتا ہے "سرکشی کے لیے / کی بناء پر"۔ تاہم بہت سے اردو مترجمین نے "سرکشی کی وجہ اور بنیاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ" اس ضد پر، جلن سے، حسد میں" کی صورت میں کیا ہے، بلکہ زیادہ حضرات نے "ضد سے" کو ہی اختیار کیا ہے جو سرکشی کا ہی ایک مظہر بھی ہے اور محرک بھی۔

(۴) "اَنْ یُنَزِّلَ اللّٰہُ" (کہ اتارے اللہ) کا ابتدائی "أَن" تو "کہ" کے معنی میں ہے اس کے استعمال پر تفصیلی بات [۲:۱:۱۹(۲)] میں ہوئی تھی۔

"یُنَزِّلُ" کا مادہ "ن ز ل" اور وزن (موجودہ منصوب صورت میں) "یُفَعِّلَ" ہے یعنی یہ باب

تفعیل کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس مادہ سے باب تفعیل کے فعل کے معنی و استعمال پر البقرہ: ۲۳ [۲:۱۷:۱(۲)] میں کلمہ "نَزَّلْنَا" کے ضمن میں بات ہوئی تھی۔

● اس طرح "ان ینزّل اللّٰہ" کا لفظی ترجمہ بنا "کہ اتارے اللہ (تعالیٰ)" جسے "نازل فرمائے / وحی بھیجے / وحی اتارے" کی صورت بھی دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں لفظ "وحی" تفسیری اضافہ ہے۔

(۳) "مِنْ فَضْلِہٖ" (اپنے فضل سے) میں "مِنْ" سببیہ تعلیلیہ (بمعنی "کی وجہ سے، کی بنا پر") ہے۔ اردو ترجمے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ لفظ "فضل" کے مادہ فعل، باب وغیرہ پر البقرہ: ۴۷ [۲:۳۱:۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ اور خود لفظ "فَضْل" کے معانی پر البقرہ: ۶۴ [۲:۴۱:۱(۵)] میں بات ہوئی تھی۔ یہ لفظ (فضل) اردو میں اتنا رائج ہے کہ کسی نے اس کا الگ ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی بلکہ سب نے "اپنے فضل سے" ہی رہنے دیا ہے کسی ایک آدھ نے "اپنی مہربانی سے" بھی اختیار کیا ہے۔

(۴) "عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ" (جس پر وہ چاہتا ہے) میں "علٰی" تو وہ صلہ ہے جو فعل "انزل یا نزّل" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے (یعنی جس پر کچھ نازل ہو اس سے پہلے لگتا ہے ورنہ ان افعال کا مفعول (جو چیز نازل ہو) تو بنفسہٖ آتا ہے) "مَنْ" (جو کہ) موصولہ کئی دفعہ گزرا ہے اور "یشاء" کا مادہ "ش ی ء" اور وزن اصلی "یَفْعَلُ" ہے۔ اس سے فعل مجرد کے باب اور معنی و استعمال اور تعلیل وغیرہ پر البقرہ: ۲۰ [۲:۱۵:۱(۸)] میں کلمہ "شاء" کے ضمن میں بات ہو چکی ہے۔ نیز اس پر دیکھئے آگے بحث "الاعراب"۔

(۵) "مِنْ عِبَادِہٖ" (اپنے بندوں میں سے) "مِنْ" یہاں تبعیضیہ ہے (دیکھیے [۲:۲:۱(۵)] میں) "عِبَاد" جمع مکسر ہے جس کا واحد "عَبْدٌ" ہے۔ اس کے مادہ (ع ب د) سے فعل مجرد (عَبَدَ یَعْبُدُ = عبادت کرنا) پر [۱:۴:۱(۲)] میں کلمہ "نَعْبُدُ" کے ضمن میں بات ہوئی تھی اور مفرد کلمہ "عبد" پر بھی البقرہ: ۲۳ [۲:۱۷:۱(۳)] میں بحث ہو چکی ہے۔

● اس تجزیہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری زیر مطالعہ عبارت (بغیاً اَنْ ینزّل اللّٰہ من فضلہٖ علٰی من یشاء من عبادہٖ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "سرکشی کے لیے اس بات پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے"۔ اس مضمون کو بامحاورہ بنانے اور عبارت کے اجزاء کی اردو ترکیب و ترتیب کے مطابق کرنے کے لیے مختلف صورتیں اختیار کی گئی ہیں، مثلاً: "محض اس ضد پر / اس کی جلن سے / اس حسد سے کہ اللہ / خدا اپنے فضل سے اپنے جس بندے پر / بندوں میں سے جس پر چاہے اتارے / نازل کرے"۔ اس عبارت کے ایک ترجمہ پر آگے حصہ الاعراب

میں بات ہو گی۔

مجموعی طور پر اس عبارت میں [۲:۵۵:۱(۲)] والے فقرے (ان یکفروابما انول اللہ) میں بیان کردہ کفر و انکار کی وجہ بیان ہوئی ہے اس لیے یہ اسی عبارت کا ایک حصہ ہی ہے۔ اس طرح ان تین عبارتوں یعنی [۲:۵۵:۱(۱-۳)] کا (جو بلحاظ مضمون ایک ہی مربوط عبارت بنتی ہے) خلاصہ مضمون یہ ہے کہ "انہوں نے اپنی جانوں کا برا سودا کیا اللہ کی نازل کردہ چیز کا انکار کر کے اور انکار بھی محض اس سرکشی اور ضد پر کہ اللہ (ہماری مرضی کی بجائے) اپنی پسند کے مطابق کسی کو اپنے فضل (وحی و نبوّت) سے (کیوں) حصہ دے۔ مزید تفصیل کسی اچھی تفسیر میں دیکھ لیجئے۔

۲:۵۵:۱(۴) [فَبَاءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ] اس عبارت کا ابتدائی حصہ صرف حرف عطف کے فرق کے ساتھ البقرہ:۶۱ میں "وَبَاءُو بغضب"... کی صورت میں گزر چکا ہے یعنی وہاں "وَ" (اور) تھا۔ اور یہاں "فَ" (پس/پھر) ہے۔ "باء و" کے مادہ (بوأ) اور اس سے فعل مجرد (باءَ یبوءُ = لوٹنا۔ کمالانا) کے معنی وغیرہ پر وہیں [۲:۳۹:۱(۱۶)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ لفظ "غضب" کا مادہ، فعل اور معانی وغیرہ اس سے پہلے [۱:۶:۱(۵)] میں بھی بیان ہوئے تھے۔ خود لفظ غضب اردو میں رائج ہے۔ زیر مطالعہ عبارت کے آخر پر "علیٰ غضب" (پر غضب) یعنی غضب پر غضب آیا ہے، جب کہ البقرہ:۶۱ [۲:۳۹:۱(۱۷)] میں "من اللہ" (اللہ کی طرف سے) یعنی اللہ کا غضب" کے الفاظ تھے۔

● یوں اس جملے (فباء و بغضب علیٰ غضب) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے: پس وہ لے کر لوٹے یا کمالائے غصہ پر غصہ یا غضب پر غضب" اور بعض نے "فباء و" (کمایا) کا ترجمہ "کے مستحق ہو گئے/میں مبتلا ہو گئے/کے سزاوار ٹھہرے/میں آ گئے" کی صورت میں کیا ہے۔ جو زیادہ بامحاورہ ہے۔ اسی طرح "غضب علیٰ غضب" کا ترجمہ "غضب بالائے غضب" اور "غضب در غضب" بھی کیا گیا ہے جو اصل عربی سے زیادہ نہیں تو کم مشکل بھی نہیں ہے۔

۲:۵۵:۱(۵) [وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ] اس عبارت میں نیا لفظ صرف مُهِيْنٌ ہے، باقی کلمات کا ترجمہ اور مزید لغوی نحوی وضاحت کے لیے گزشتہ حوالہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

① "وَ" یہاں مستأنفہ ہے (دیکھئے البقرہ:۸ [۲:۷:۱(۱)] میں اس کی تعریف) چونکہ یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوئی ہے اس لیے سابقہ عبارت کے آخر پر وقف مطلق کی علامت "ط" ڈالی گئی ہے۔ اردو ترجمہ بہرحال "اور" ہی کیا جاتا ہے۔

(۲) "للکافرین" (کافروں کے لیے) کی ابتدائی لام الجرّ (لِ) "کے لیے/سے مختص" کے معنی میں ہے اور "الکافرین" (ابتدا میں لام الجرّ کے لگنے سے لام تعریف کا ہمزۃ الوصل تلفظ کے علاوہ کتابت سے بھی ساقط ہو جاتا ہے یعنی "للکافرین" لکھا جاتا ہے) فعل "کفر یکفُر" (انکار کر دینا/نہ ماننا) سے اسم الفاعلین (بصیغہ جمع مذکر مجرور) ہے۔ اس کے مادہ (کفر) اور فعل کے باب و معنی پر البقرہ: ۶ [۲:۵:۱(۱)] میں اور خود لفظ "الکافرین" پر البقرہ: ۱۹ [۲:۱۴:۱(۱۴)] میں بات ہوئی تھی۔

(۳) "عذاب" (سزا/سخت سزا) خود یہی لفظ اردو میں اتنا متعارف ہے کہ ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کی لغوی تشریح پر البقرہ: ۷ [۲:۶:۱(۶)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

(۴) "مُهِينٌ" کا مادہ "ھ و ن" اور وزن اصلی "مُفْعِلٌ" ہے۔ یہ دراصل "مُهْوِنٌ" تھا، پھر حرفِ علت (وَ) کی حرکت (کسرہ "ـِ") اس کے ماقبل ساکن حرف صحیح (ھ) کو دے کر خود "و" کو اب ماقبل کی حرکت (ـِ) کے موافق حرف (ی) میں بدل کر لکھا بولا جاتا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد آتا تو باب ضرب سے ہی ہے، مگر مختلف مصدر کے ساتھ مختلف معنی دیتا ہے، اگرچہ اس مادہ کا بنیادی مفہوم "آسان اور کم وزن کا ہونا" اس کے تمام معانی میں پایا جاتا ہے (۱) هَانَ يهُوْنُ هُوْنًا وهَوَانًا "کے معنی ہیں ذلیل و خوار ہونا۔ مثلاً کہتے ہیں "هانَ فلانٌ هُوْنًا" (فلاں بہت خوار ہوا۔ اس کی ذلت ہوئی)، "هُوْن" کے معنی "ذلت" ہیں۔ (۲) هان یھُون هَوْنًا کے معنی ہیں "آسان اور سہل ہونا، معمولی ہونا"۔ جس پر وہ (چیز یا کام) آسان ہو اس پر "علی" کا صلہ آتا ہے، مثلاً کہتے ہیں "هان الشئُ علی فلانٍ" (وہ چیز فلاں پر آسان یا اس کے لیے بالکل معمولی تھی)۔ ایسی چیز (یا کام) کو "هَيِّنٌ" (آسان معمولی) کہتے ہیں۔ اور "هَوْن" (بفتح الھاء) "وقار اور تواضع" کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ قابل تعریف اور خود اختیار کردہ "ہلکاپن" یا سادگی اور بے تکلفی کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ "هُوْن" (بضم الھاء) کسی دوسرے کی طرف سے مسلط کردہ مذموم "ہلکاپن" یعنی خواری اور ذلت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دونوں لفظ قرآن کریم میں مستعمل ہوئے ہیں۔

● قرآن کریم میں اس مادہ (ھون) سے فعل مجرد کا تو کوئی صیغۂ فعل استعمال نہیں ہوا، بلکہ اُفعال میں سے تو اس کے مزید فیہ کے باب اِفعال سے ہی صرف دو صیغۂ فعل دو جگہ آئے ہیں۔ البتہ اس مادہ سے ماخوذ اور اس کے اَفعال سے مشتق کلمات (مثلاً هُون، هَون، هيّن، اَهوَن، مُهِين اور مُهان وغیرہ) متعدد (۲۴) جگہ آئے ہیں۔ جن پر حسب موقع بات ہو گی، ان شاء اللہ۔

● زیر مطالعہ لفظ "مُهِينٌ" اس مادہ (ھون) سے باب اِفعال کا اسم الفاعل ہے۔ باب اِفعال کے

فعل "اَھان ..... یُھِیْنُ اِھانۃ" (دراصل اَھوَن یُھْوِنُ اِھوانا) کے معنی ہیں "..... کو ذلیل وخوار کرنا، ..... کی سخت بے عزتی کرنا" مثلاً کہتے ہیں "اَھان فلانًا" (اس نے فلاں کو ذلیل کر دیا) اور قرآن کریم میں ہے "رَبِّی اَھَانَنِ" (الفجر: ۱۶) یعنی "میرے ربّ نے مجھے ذلیل کر دیا" (اس میں اَھَانَنِ "دراصل اَھَانَنِیْ" ہے۔ آخری یائے متکلم تلفظ اور کتابت سے ساقط کر دی گئی ہے اور اس کی علامت "اھانَ" کے آخری "نون" کی کسرہ رہ گئی ہے) یعنی اس فعل کا مفعول بنفسہ آتا ہے۔

● اس طرح کلمہ "مُھِین" کا ترجمہ ہے "ذلیل کر دینے والا"۔ اور اس پورے فقرے (وللکافرین عذابٌ مُھین) کا ترجمہ ہو گا "اور کافروں / منکروں کے لیے ہے / ہو گا ذلیل کرنے والا عذاب" جسے "ذلت والا عذاب" بھی کہہ سکتے ہیں۔ تاہم بیشتر مترجمین نے یہاں "عذاب مھین" (ترکیب توصیفی) کا ترجمہ (مرکب اضافی کی طرح) "ذلت کا عذاب" کیا ہے جو بظاہر تو "عذاب الھُون" (یہ ترکیب بھی قرآن کریم میں (الانعام: ۹۳) وارد ہوئی ہے) کا ترجمہ ہے، تاہم شاید اردو محاورہ کے لحاظ سے یہ (ترکیب اضافی والا) ترجمہ بہتر ہے۔

۲:۵۵:۲ الإعراب

زیر مطالعہ عبارت دراصل تو نحوی اعتبار سے تین مکمل جملوں پر مشتمل ہے، اسی لیے پہلے جملے کے آخر پر وقف جائز (ج) کی اور دوسرے جملے کے آخر پر وقف مطلق کی علامت (ط) ڈالی گئی ہے۔ تاہم پہلا جملہ نحوی ترکیب کے لحاظ سے ذرا پیچیدہ بھی ہے اور طویل بھی۔ اس لیے حصہ "اللغۃ" میں ہم نے اس (پہلے) ایک جملے کو تین حصوں میں (جن میں سے دو "اَن" سے شروع ہونے والے نحوی اعتبار سے نامکمل جملے بھی شامل ہیں) تقسیم کر کے بات کی تھی۔ اب ہم ذیل میں اس عبارت کو تین جملوں کی صورت میں زیر بحث لائیں گے۔

① بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہ علی من یشاء من عبادہ۔

[بِئْسَ] فعل ذم ہے (بمعنی ساء) اور [مَا] یہاں نکرہ بمعنی "شیئًا" ہوتے ہوئے اس فعل کی تمیز منصوب ہے اور بعض نحویوں کے نزدیک یہ معرفہ بمعنی "الذی" (جو کہ) ہو کر "بئس" کا فاعل ہے۔ اردو کے بامحاورہ ترجمہ کے لیے یہ دوسری ترکیب (فاعل والی) زیادہ موزوں ہے، اس لیے سب مترجمین نے اسی طرح (بصورت فاعل) ترجمہ کیا ہے (دیکھئے اس کے تراجم حصہ اللغۃ میں) [اشتروا] فعل ماضی مع ضمیر الفاعلین جملہ فعلیہ "ما" موصول (فاعل) کا صلہ بنتا ہے۔ [بہ] جار مجرور (جس میں ضمیر

مجرور "ہ" اسی "ما" پر عائد ہے) متعلق فعل (اشتروا) ہیں۔ [انفسھم] مضاف مضاف الیہ مل کر فعل "اشتروا" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے۔ اس طرح یہ عبارت (ما اشتروا بہ انفسھم) صلہ موصول مل کر "بئس" کا فاعل بنتا ہے (جسے بعض دفعہ اس کا "اسم" بھی کہہ دیتے ہیں جس طرح "کان" وغیرہ کا فاعل اس کا "اسم" کہلاتا ہے) اور یہ پورا جملہ (بئسما اشتروا بہ انفسھم) بیان الذم یا خبر مقدم ہے۔ اس کا مبتدأ وہ مخصوص بالذم ہے جو آگے آرہا ہے [ان یکفروا] میں "اَن" تو حرفِ مصدری (یعنی اگلے فعل میں مصدر کے معنی پیدا کرنے والا) ناصب ہے اور "یکفروا" اس کی وجہ سے فعل مضارع منصوب ہے، علامتِ نصب آخری "ن" کا حذف ہے (جو دراصل یکفرون تھا) اس "اَن" سے پہلے ایک مبتدأ محذوف سمجھا جائے گا یعنی "هُوَ اَنْ ...." (وہ۔ برا مول جس کے بدلے جانوں کو خریدا یا بیچا۔ یہ ہے کہ....) اس صورت میں "اَنْ" کے بعد والا جملہ اس (ھو) کی خبر سمجھا جائے گا۔ اور یوں بھی ہوسکتا ہے کہ "ان" کو مصدریہ سمجھ کر مابعد فعل کو مصدر مؤول قرار دیا جائے اور اسے اس محذوف مبتدأ "ھو" کی خبر قرار دیا جائے۔ یعنی "ھُوَ ان یکفروا ..." کو "ھُوَ کفرُھم" کے برابر سمجھا جائے۔ تاہم اردو کے کسی مترجم نے "اَن مصدریہ" کے ساتھ ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اسے صرف ناصب ہی سمجھ کر ترجمہ فعل مضارع کے ساتھ ہی کیا ہے (البتہ بعض نے سیاق عبارت کی بنا پر فعل ماضی سے بھی ترجمہ کر دیا ہے) [بِمَا] "بِ" فعل "یکفروا" کا صلہ بھی ہوسکتا ہے جو اس کے مفعول پر آتا ہے یا اسے باء الجر سمجھ کر مابعد کو (جو صلہ موصول ہے) مجرور قرار دیں اور سارا جار مجرور متعلق فعل "یکفروا" سمجھیں۔ "مَا" اسم موصول ہے جو یہاں بوجہ باء الجر (بِ) مجرور ہے مگر مبنی ہونے کے باعث اس میں کوئی اعرابی علامت ظاہر نہیں ہے [انزل] فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب ہے اور [اللہ] اس کا فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے علامتِ رفع اسم جلالت کی آخری "ہ" کا ضمہ (ـُ) ہے اور یہ جملہ "انزل اللہ" اسم موصول "مَا" کا صلہ ہے۔ اور یہ صلہ موصول مجرور بالجر ہو کر (بما انزل اللہ) فعل "یکفروا" سے متعلق ہے یا اس کا مفعول (لہٰذا محلاً منصوب) ہے اور یہ پورا جملہ (ان یکفروا بما انزل اللہ) فعل ذم "بئس" کا مخصوص بالذم ہے۔ گویا مفہوم کچھ یوں ہے "کتنا برا سودا ہے ان کا یہ کفر" اس طرح "بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ" تین حصے (فعل الذم + اس کا فاعل + مخصوص بالذم) مل کر ایک مکمل جملہ بن جاتے ہیں۔ اگر "ان یکفروا بما انزل اللہ" نہ ہوتا تو "اشتروا بہ انفسھم" کو بھی مخصوص بالذم قرار دیا جاسکتا تھا۔ اب ذرا زیادہ واضح جملہ ہوگیا اور اپنی جگہ اعرابی لحاظ سے مکمل بھی ہے۔ مگر آگے پھر "بغیًا" سے شروع ہونے والا جملہ اس "ان یکفروا" (کفرھم) کی وجہ بیان کرتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ بھی اسی جملہ (ان یکفروا بما انزل

اللہ کا ہی حصہ بنے گا اور یوں مخصوص بالذم ذرا طویل جملہ بن جاتا ہے۔

● [بَغْيًا] مفعول لہ (لہذا) منصوب ہے۔ علامتِ نصب تنوین نصب ہے۔ اردو میں "کی خاطر" کے لیے" کا ترجمہ "پر" سے کیا جا سکتا ہے [اَنْ] یہ بھی ناصبہ ہے جو مصدریہ بھی ہو سکتا ہے [يُنَزِّلَ] فعل مضارع منصوب "بِاَنْ" ہے، علامت نصب آخری "ل" کی فتحہ (ـَ) ہے [اللّٰہ] اس کا فاعل مرفوع ہے [مِنْ فَضْلِهٖ] یہ سارا مرکب جاری (جو "مِن" حرف الجر "فَضْل" مضاف" لہذا مجرور خفیف اور ضمیر مجرور بالاضافہ (ہ) پر مشتمل ہے) متعلق فعل "یُنَزِّل" ہے۔ بعض مترجمین نے یہاں "مِنْ" کو زائدہ سمجھ کر (جو بعض دفعہ مبتدأ یا فاعل یا مفعول پر آتا ہے) گویا "فضلہ" کو ہی مفعول قرار دے کر ترجمہ "نازل کیا اپنا فضل" کر لیا ہے، جس کی نحوی گنجائش تو نکل آتی ہے (اگرچہ اس سے پہلے نفی یا نہی یا استفہام کا آنا ضروری ہے جو یہاں نہیں ہے)، تاہم حقیقت یہ ہے کہ یہاں "یُنَزِّل" کا مفعول (کتاب یا وحی وغیرہ) محذوف (غیر مذکور) ہے اور "مِن فضلہٖ" کو مرکب جاری متعلق فعل سمجھنا زیادہ موزوں ہے، جیسا کہ بیشتر مترجمین نے سمجھا ہے۔ [عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ] "علی" یہاں فعل "نَزَّل" کا صلہ ہے جو اس کے "مفعول ثانی" (جس پر نازل کیا جائے۔ مفعول اوّل وہ ہوتا ہے جس کو نازل کیا جائے اور بنفسہٖ آتا ہے) پر آتا ہے یا اسے مطلقاً حرف الجر ہی سمجھ لیں تو "مَنْ" اسم موصول اس (علی) کی وجہ سے مجرور ہے مگر مبنی ہے اس لیے کوئی علامتِ جر ظاہر نہیں ہے۔ [يَشَاءُ] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعل (ھو) ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دراصل یہاں فعل "یشاء" کے بعد ایک ضمیر عائد محذوف ہے یعنی دراصل تھا "من یشاءہ" (کہ وہ جو کہ وہ چاہتا ہے اس کو) اسی کا با محاورہ اردو ترجمہ "وہ جس کو چاہتا ہے" بنتا ہے۔ یعنی فعل "یشاء" (یا "یشاءہ") اسم موصول "مَن" کا صلہ ہے اور یہ سارا صلہ موصول مجرور بالجر (علیٰ کا) ہو کر "مِن فضلہ" کی طرح فعل "یُنَزِّل" کا دوسرا متعلق فعل ہے یعنی یہ نازل کرنے کا سبب کیا تھا؟ اور کس پر نازل کیا گیا؟ کے جواب مہیا کرتے ہیں۔ [مِنْ عِبَادِهٖ] یہ مرکب جاری (جو حرف الجر "مِن" اور "عبادِ" مجرور بالجر جو آگے مضاف لہٰذا خفیف بھی ہے اور ضمیر مجرور (ہ) مضاف الیہ پر مشتمل ہے) "مَنْ یشاءُ" کے "مَنْ" کا بیان اور وضاحت ہے۔ یعنی "مِنْ" بیانیہ ہے یا "مِن" تبعیض کا سمجھیں (بمعنی "بعض")، تو پھر اسے (مِن عبادہ کو) بلحاظ معنی "مَنْ" (مَن یشاءُ والا) کا حال یا صفت بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

④ فَبَاءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ

[فَبَاءُوْ] کی ابتدائی "فاء" (فَ) عاطفہ تعلیلیہ ہے اور "باءو" فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ہے

جس میں ضمیر فاعلین "ھم" ان لوگوں کے لیے ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے [بغضب] کی ابتدائی "باء" (بِ) وہ صلہ ہے جو فعل "باءَ یبوءُ" کے مفعول پر آتا ہے۔ اور "غضب" مجرور بالجر ہے۔ اس طرح اس مرکب جاری "بغضب" کو مفعول سمجھ کر محلاً منصوب بھی کہہ سکتے ہیں (کیونکہ فعل "باء" (بمعنی "کمانا") کا مفعول کبھی بنفسہ نہیں آتا) اور چاہیں تو فعل "باءو" (بمعنی لوٹنا) کو فعل لازم سمجھ کر اس مرکب جاری کو متعلق فعل (باءو) قرار دے لیں۔ [علیٰ غضب] جار مجرور مل کر پہلے "غضب" کی صفت کا کام دے رہا ہے یعنی "ایسا غضب لے کر لوٹے جس کے اُوپر ایک (اور) غضب ہے"۔

(۴) وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

[وَ] مستانفہ ہے (اسی لیے اس سے پہلے والے جملے کے آخر پر وقف مطلق کی علامت (ط) ڈالی گئی ہے)۔ یعنی یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوئی ہے۔ [للکافرین] جار (لِ) اور مجرور (الکافرین) مل کر خبر کا کام دے رہے ہیں [عذابٌ] مبتدأ موخر ہے اسی لیے نکرہ بھی ہے اور مرفوع بھی۔ نیز یہ موصوف بھی ہے۔ آگے [مُھِیْن] اس (عذاب) کی صفت ہے (لہٰذا مرفوع بھی ہے بلکہ چاروں لحاظ (حالت' عدد' جنس اور قسم) سے اس کے مطابق ہے) یا یوں کہیے کہ یہ مرکب توصیفی (عذاب مھین) مل کر مبتدأ موخر ہے۔ جار مجرور کے خبر مقدم ہو کر آنے سے اس عبارت کا ترجمہ "اور کافروں ہی کے لیے عذاب مھین ہے" ہونا چاہیے۔

۲:۵۵:۳ الرسم

زیر مطالعہ آیت میں بلحاظ رسم (قرآنی) صرف تین کلمات قابل ذکر ہیں۔ یہ تین کلمات ہیں: بئسما۔ فباء و۔ اور للکفرین۔ تفصیل یوں ہے۔

(۱) "بئسما" ان کلمات میں سے ہے جن کے رسم (عثمانی) میں ان کے موصول (ملا کر) یا مفصول (الگ الگ کر کے) لکھنے کی بحث کی جاتی ہے۔ لفظ "بئس" "ما" (موصولہ) کے ساتھ مل کر قرآن کریم میں نو (۹) جگہ آیا ہے۔ ان میں سے زیر مطالعہ آیت میں اسے موصول (بئسما) لکھنے پر اتفاق ہے۔ اور دو مقامات (البقرہ: ۹۳ اور الاعراف: ۱۵۰) کے بارے میں اگرچہ الوداوَد اور الدانی میں کچھ اختلاف بیان ہوا ہے تاہم عمل (تمام ملکوں میں) ان دونوں جگہ موصول لکھنے پر ہی ہے[1]۔ باقی چھ مقامات (جو البقرہ: ۱۰۲، آل عمران: ۱۸۷، اور المائدہ: ۶۲، ۶۳، ۷۹، اور ۸۰ ہیں) پر ان دونوں کلمات کو مقطوع (مفصول) لکھے جانے پر اتفاق ہے یعنی بصورت "بئس ما"۔

---

[1] دیکھیے سیر الطالبین ص ۹۴۔ المقنع ص ۷۴۔ دلیل الحیران ص ۳۰۰۔

(۲) "فباؤ" جسے عام رسم املائی میں واو الجمع کے بعد الف الوقایۃ کے ساتھ بصورت "فباء وا" لکھا جاتا ہے قرآن کریم میں اسے یہاں اور ہر جگہ اس "آخری الف" کے بغیر ہی لکھنے پر اتفاق ہے۔ مزید تفصیل (یعنی اس قاعدے کے تحت آنے والے دیگر کلمات کے بارے میں) کے لیے دیکھئے: البقرہ ۶۱ کے ضمن میں [۲:۳۹:۳] (بحث الرسم)۔

(۳) "للکافرین" یہ اس لفظ کا رسم املائی ہے۔ مگر قرآن کریم میں کلمۃ "الکافرین" (الگ ہو یا کسی حرف الجر کے ساتھ، جیسے یہاں لام الجر کے ساتھ ہے) ہر جگہ "بحذف الالف بعد الکاف" بصورت "الکفرین" ہی لکھا جاتا ہے، یعنی زیر مطالعہ آیت میں اسے "للکفرین" ہی لکھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ قاعدہ قریباً تمام مذکر جمع سالم کے بارے میں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے البقرہ: ۱۹ کے ضمن میں [۲:۱۴:۳] (بحث الرسم)

۲:۵۵:۴ الضبط

زیر مطالعہ آیت کے کلمات کے ضبط میں زیادہ تنوع ہائے کنایہ' حروف علت (و/ی) اور نون مظہرہ یا مخفاۃ کے ضبط کا ہے۔ بہرحال درج ذیل نمونوں سے اس فرق کو سمجھا جاسکتا ہے۔

بِئْسَمَا، بِئْسَمَا/ اشْتَرَوْا، اشْتَرَوْا، اشْتَرَوْا/ بِهٖ، بِهٖ، بِهٖ، بِهٖ/ اَنْفُسَهُمْ، اَنْفُسَهُمْ، اَنْفُسَهُمْ/ اَنْ، أَنْ، أَن/ يَّكْفُرُوْا، يَكْفُرُوْا، يَّكْفُرُوْا/ بِمَا، بِمَا، بِمَا/ اَنْزَلَ، أَنْزَلَ، اَنزَلَ/ اللّٰهُ، اللّٰهُ، اللّٰهُ/ بَغْيًا، بَغْيًا، اَنْ (مثل سابق) يُّنَزِّلَ، يُنَزِّلَ، يُّنَزِّلَ/ اللّٰهُ (مثل سابق) مِنْ، مِن، مِن/ فَضْلِهٖ، فَضْلِهٖ، فَضْلِهٖ/ عَلٰى، عَلَى، عَلٰى/ مَنْ، مَن، مَن/ يَّشَآءُ، يَشَآءُ، يَشَاءُ، يَّشَآءُ/ مِنْ، مِن، مِنْ/ عِبَادِهٖ، عِبَادِهٖ، عِبَادِهٖ، عِبَادِهٖ/ فَبَآءُوْ، فَبَآءُو، فَبَاءُو، فَبَآءُو /

بِغَضَبٍ، بِغَضَبٍ/ عَلٰی (مثل سابق)/ غَضَبٍ (مثل سابق)/
وَلِلْكٰفِرِيْنَ، لِلْكٰفِرِيْنَ، لِلْكٰفِرِيْنَ، لِلْكٰفِرِيْنَ /
عَذَابٌ، عَذَابٌ/ مُّهِيْنٌ، مُّهِيْنٌ، مُّهِيْنٌ، مُّهِيْنٌ۔

سورة البقرة

آیت ۹۱

۵۶:۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا
نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ
وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ
اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

۱:۵۶:۲ اللغة

اس قطعہ میں لغوی تشریح کے لیے (بلحاظ مادہ و اشتقاق وغیرہ) نیا لفظ صرف "وراء" ہے۔ باقی تمام کلمات بالواسطہ یا بلاواسطہ (یعنی موجودہ ہی شکل میں یا بلحاظ مادہ واصل) اس سے پہلے گزر چکے ہیں، لہٰذا یہاں ان کا صرف ترجمہ مع گزشتہ حوالہ (برائے طالب مزید) دیتے جائیں گے۔

۱:۵۶:۲ (۱) [وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ]

① اس میں سے ابتدائی حصہ "واذا قیل لھم اٰمنوا" اس سے پہلے البقرہ: ۱۳ [۲:۱۰:۱] میں گزر چکا ہے جہاں اس کے تمام اجزاء یعنی "وَ" (مستانفہ بمعنی اور) "اذا" (ظرفیہ بمعنی جب) "قِیلَ" (کہا گیا) کے مادہ (قول) اور وزن اصلی (فُعِلَ) وغیرہ پر "لَھُمْ" کے لامِ صلہ (برائے فعل "قال یقول") پر اور "اٰمِنوا" (تم ایمان لے آؤ) کے مادہ (امن) اور اس سے باب افعال کے فعل "آمن یُؤمِنُ" کے معنی (ایمان لانا) اور استعمال وغیرہ پر بات ہو چکی ہے۔

② "بما اَنزل اللّٰہ" کی ابتدائی "باء (ب)" صلہ فعل برائے فعل "آمَنَ" ہے بمعنی "پر" اور "مَا" (جو کچھ کہ) موصولہ

ہے دیکھئے [(۵)۱:۲۱:۲] میں "أَنْزَلَ" (اس نے آتارا) کے مادہ (نزل) وزن (أَفْعَلَ) اور باب (اِفعال) کے معنی و استعمال پر [(۲)۱:۳:۲] میں بات ہو چکی ہے۔ اسم جلالت کی لغوی بحث "بسم اللہ" کے ضمن میں ہوئی تھی۔

● یوں اس عبارت کا لفظی ترجمہ بنتا ہے، "اور جب کہا جاتا ہے ان کو تم ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا (ہے) اللہ نے"۔ اس میں "قیل لھم" کا ترجمہ "ان سے کہا جاتا ہے" اور "ان سے کہا جائے" کے علاوہ با محاورہ "کہیے ان کو" بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح "نازل کیا" کی بجائے "اتارا / نازل فرمایا" بھی ہو سکتا ہے۔ بعض نے "بھیجا" سے ترجمہ کر دیا ہے جو مفہوم کے لحاظ سے درست ہے ورنہ اصل لفظ سے ہٹ کر ہے۔ بعض نے "بما" کا ترجمہ "ان تمام کتابوں پر جو" یا "کتاب پر جو / قرآن پر جو" کی صورت میں کیا ہے جسے صرف تفسیری ترجمہ سمجھ کر درست کہہ سکتے ہیں۔ بعض نے "بما" کے "ما" کو مصدریہ مان کر ترجمہ "اللہ کے اتارے پر" سے ترجمہ کیا ہے، جو نحوی اعتبار سے درست ہے۔

<u>۱:۵۶:۲ (۲)</u> [قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا]

① "قَالُوْا" (انہوں نے کہا۔ اور یہاں "اِذَا" (جب) کے جواب میں آنے کی وجہ سے "تو وہ کہتے ہیں / کہیں گے") کے مادہ، وزن فعل اور اس کے صیغہ کی تعلیل وغیرہ کے لیے دیکھئے البقرہ: ۱۱ [(۴)۱:۹:۲] کے بعد۔

② "نُؤْمِنُ" (ہم ایمان رکھتے ہیں) پر بھی البقرہ: ۱۳ [۱:۱۰:۲] میں ہی "أنؤمن" (استفہامیہ) کے ضمن میں بات ہو چکی ہے اور اس مادہ (امن) سے بابِ افعال کے معنی وغیرہ تو پہلی دفعہ البقرہ: ۳ [(۱)۱:۲:۲] میں تفصیل سے بیان ہوئے تھے۔

③ "بِمَآ اُنْزِلَ" (اس پر جو اتارا گیا) اسی شکل میں البقرہ: ۴ [(۲)۱:۳:۲] میں گزر چکا ہے۔

④ "عَلَيْنَا" (ہم پر)۔ "علی" کے فعل "انزل" کے ساتھ بطور "صلہ" استعمال پر بھی اسی فعل کے ساتھ بات ہوئی تھی۔ اور "علی" بطور حرف الجر کے معنی و استعمال کے لیے دیکھئے الفاتحہ: ۷ [(۳)۱:۶:۱]

● عبارت کا لفظی ترجمہ بنا: "انہوں نے کہا ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہم پر"۔ "قالوا" کا ترجمہ (اِذا کی وجہ سے) "تو کہتے ہیں" بھی ہو سکتا ہے۔ بعض نے محاورہ کی خاطر "تو جواب دیتے ہیں" سے بھی کر دیا ہے جو اصل لفظ سے ذرا ہٹ کر ہے۔ اسی طرح بعض نے "بما اُنزِلَ..." (فعل مجہول) کا ترجمہ فعل لازم کی طرح "جو اترا / جو اترا ہے / وہ جو اترا / جو نازل ہو چکا / نازل ہوا ہے" کی صورت میں کیا ہے جسے صرف محاورہ اور مفہوم کے لحاظ سے ہی درست کہا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے اس کا ترجمہ "جو نازل کی گئی ہے" سے کیا ہے

وہ اصل نص (الفاظ عبارت قرآنی) سے قریب تر رہے ہیں۔

۲:۵۶:۱:(۳) [وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاءَهٗ]

① "وَ" حالیہ ہے دیکھئے [۲:۴:۱:(۳)] اردو ترجمہ "حالانکہ" ہوگا۔ اس پر مزید بحث (کہ اس کا ذوالحال کیا ہے) آگے "الاعراب" میں آئے گی۔

② "يَكْفُرُوْنَ" (وہ انکار کرتے ہیں۔ نہیں مانتے) کے اصل فعل (کفر یکفر = انکار کر۔ کفر کرنا) کے مادہ، باب، فعل وغیرہ پر تو البقرہ: ۶ [۲:۵:۱:(۱)] میں بات ہوئی تھی اور یہی صیغہ فعل (یکفرون) پہلی دفعہ البقرہ: ۶۱ [۲:۳۹:۱] کے آخری حصے میں آیا تھا۔

③ "بِمَا" (اس کا جو کہ) "بِ" صلہ فعل (کَفَرَ) ہے اور "مَا" موصولہ ہے۔ دیکھئے اوپر "بِمَا أُنْزِلَ" میں۔

④ "وَرَاءَهٗ" کی آخری ضمیر مجرور "ہ" یعنی "اس کے" ہے اور کلمہ "وراء" کی لغوی وضاحت یوں ہے کہ: اس کا مادہ "ورء" یا "وری" ہے اور وزن "فَعَالٌ" (مبنی) ہے — اس لفظ کا آخری ہمزہ (ء) یا تو اصلی ہے یا عربوں کے طریق نطق (لہذا صرفی قاعدہ) کے مطابق "الف ممدودہ کے بعد آنے والا حرف علت (ی) ہمزہ میں بدل کر لکھا اور بولا جاتا ہے۔

بعض کتب لغت (مثلاً القاموس، اللسان، Lane اور المنجد) میں اسے بنیادی طور پر مہموز اللام ہی قرار دیا گیا ہے، اگرچہ بعد میں معتل اللام مادہ (وری) میں بھی اسے ذکر کر دیا گیا ہے۔ بعض (مثلاً البستان، اور الوسیط) نے اسے مہموز (ورأ) میں ہی بیان کیا ہے اور پھر "وری" میں اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جب کہ بعض (مثلاً مختار الصحاح اور المفردات) میں اسے صرف معتل اللام (وری) کے طور پر ہی بیان کیا گیا ہے۔ صاحب القاموس نے تو اسے معتل سمجھنا "جوہری" (حماد بن اسماعیل صاحب "الصحاح") کا وہم قرار دیا ہے اور قریباً یہی رائے مؤلف "البستان" کی ہے۔

● اگر اسے مہموز اللام سمجھا جائے تو اس مادہ (ورء) سے فعل مجرد وَرَأَ يَرَأُ (وَيَوْرَأُ) وَرْءًا (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے معنی "بھر جانا" اور "پیچھے دھکیل دینا" ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "وَرَأَ مِنَ الطعام" (وہ کھانے سے بھر گیا) یا "وَرَأَ الرجلَ" (اس نے آدمی کو پیچھے دھکیل دیا)۔ مزید فیہ کے بعض ابواب سے بھی کچھ افعال مختلف معنی کے لیے آتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی صیغہ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔

● اور اگر اسے "وری" مادہ سے سمجھیں تو اس مادہ سے فعل مجرد وَرَى يَرِي وَرْيًا وَرِيَةً (ضرب سے) مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "وَرَتِ النَّارُ" (آگ جل اٹھی) اور "وَرَتِ الإبلُ"

(اونٹنیاں خوب موٹی ہوگئیں) اور "وَرِیَ یَرِی وَرْیًا" (حسب سے) کے معنی "آگ یا شعلہ نکلنا" ہیں مثلاً کہتے ہیں "وَرِیَ الزَّنْدُ" (زند نے شعلہ نکالا) زند خاص قسم کی لکڑی ہوتی تھی جسے ایک دوسری پر رگڑتے تھے تو اس سے آگ کا شعلہ (spark) نکلتا۔ پھر اس کو آگ جلانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یعنی آج کل کی ماچس یا لائٹر کا کام دیتی تھی۔ اس کے علاوہ اس مادہ سے فعل مجرد بعض دیگر معانی بھی دیتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے بھی کسی طرح کا کوئی صیغہ فعل نہیں آیا۔ البتہ اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب (اِفعال، مفاعلۃ اور تفاعل) سے اَفعال کے کچھ صیغے سات جگہ آئے ہیں اور باب افعال ہی سے اسم الفاعلات (برائے جمع مؤنث سالم) بھی ایک جگہ وارد ہوا ہے۔ ان سب پر حسب موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ "وَرَاءَ" ظروفِ مَبنیۃ میں سے ایک ہے یعنی یہ ظرف ہے جو زیادہ تر مکان (جگہ) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی زمان (وقت) کے لیے بھی آتا ہے۔ مبنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آخری ہمزہ کو تینوں حرکات کے ساتھ مبنی سمجھا جاتا ہے یعنی کبھی اس کا ہمزہ ہر صورت میں مضموم رہتا ہے کبھی ہر حالت میں مفتوح اور کبھی تینوں حالتوں میں مکسور ہی رہتا ہے یعنی اہل زبان تینوں طرح استعمال کر لیتے ہیں۔ دیگر ظروف (قبل۔ بعد وغیرہ) کی طرح یہ عموماً مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے اور ظرف ہونے کی بنا پر منصوب بصورت مفتوح ہی آتا ہے (جیسے زیر مطالعہ آیت میں "وراءَ" کی شکل میں آیا ہے) اگر اس سے پہلے "مِن" آجائے تو (قبل اور بعد کی طرح) یہ مجرور بصورت مکسور بھی پڑھا جاتا ہے البتہ اگر اس کے بعد کوئی مضاف الیہ نہ ہو تو پھر اسے "مِن وراءُ" (من قبلُ کی طرح) پڑھ لیتے ہیں اور "مِن وراءَ" بھی اور بعض دفعہ "الوراءُ" معرف باللام بھی استعمال ہوتا ہے اسی طرح بعض دفعہ یہ بطور اسم فعل "وَرَاءَكَ" بمعنی "ٹھہرو پیچھے دیکھو" بھی استعمال ہوتا ہے۔ تاہم یہ استعمالات قرآن میں نہیں آتے۔ قرآن کریم میں تو یہ ہر جگہ اپنے مضاف الیہ کے ساتھ ہی استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ چوبیس جگہ وارد ہوا ہے اور ان میں سے بارہ جگہ یہ کسی اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو کر آیا ہے اور بارہ ہی جگہ کسی ضمیر کی طرف مضاف ہو کر آیا ہے۔

● بطور ظرف یہ لفظ "آگے" (قُدَّام)، "سامنے" (اَمَام)، "پیچھے" (خَلف) یعنی لغتِ اضداد کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے (یعنی مختلف مفہوم میں) بلکہ یہ کبھی "سوی" (کے سوا۔ کے علاوہ) کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کے اصل بنیادی معنی یہ بتائے گئے ہیں "جو چیز دیکھنے والے سے ابھی پوشیدہ ہے"۔ (اس لحاظ سے اس کو مادہ "ودی" سے ماخوذ سمجھنا

بہتر ہے کیونکہ "ودا" میں تو یہ مفہوم نہیں جبکہ "ودی" کے بعض مشتقات میں یہ معنی پائے جاتے ہیں)
اردو میں اس کے لیے مناسب لفظ تو "پرے" یا "ورے" ہی ہے مثلاً "وراء الجدار" کا مطلب "دیوار سے
پرے" بھی ہو سکتا ہے اور "دیوار سے ورے" بھی۔

● زیر مطالعہ آیت میں "وراء" "... کے سوا اور ... کے علاوہ" کے معنی میں آیا ہے یا یوں کہیے کہ یہاں
اس (ماوراءہ) کا موزوں با محاورہ ترجمہ "جو اس کے سوا ہے / جو کچھ اس کے علاوہ ہے / اس کے
سوا" ہی بنتا ہے بعض نے "جو اس سے پیچھے آیا" سے بھی ترجمہ کیا ہے اس میں "آیا" تفسیری اضافہ ہے

● اس بحث کے بعد آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس عبارت (ویکفرون بما وراءہ) کا ترجمہ بنتا ہے
"حالانکہ / اور / کفر کرتے ہیں / نہیں مانتے / منکر ہوتے ہیں اس کو / کے / جو اس کے پیچھے / سوا / کے
علاوہ ہے / اس کے علاوہ کو نہیں مانتے" وغیرہ۔ نیز آگے دیکھئے حصہ "الاعراب"

۲:۵۶:۱(۳) [وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ] اس عبارت میں بھی کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ ہر لفظ کا صرف
ترجمہ مع حوالہ درج ذیل ہے:

① "وَ" حالیہ بمعنی حالانکہ ہے [۲:۴:۱(۳)] نیز آگے حصہ "الاعراب" دیکھیے۔

② "هُوَ" (وہ) ضمیر ہے۔

③ "الحق" (ح ق ق) پر تفصیلی بحث البقرہ: ۲۶ [۲:۱۹:۱(۶)] میں گزری ہے۔

④ "مصدقا" (تصدیق کرنے والا) اس لفظ کی پوری لغوی تشریح البقرہ: ۴۱ [۲:۲۸:۱(۹)] میں
گزر چکی ہے جہاں یہ اسی شکل میں آیا ہے۔

⑤ "لِمَا" (اس کی جو کہ) دیکھئے مذکورہ بالا حوالہ یعنی [۲:۲۸:۱]

⑥ "مَعَهُمْ" (ان کے ساتھ) "مَعَ" کی لغوی تشریح اور طریق استعمال پر البقرہ: ۱۴ [۲:۱۱:۱(۵)]
میں (پہلی دفعہ) بات ہوئی تھی۔

● مجموعی لفظی ترجمہ اس عبارت کا ہے "حالانکہ وہ ہی سچ ہے سچا کرنے والا ہوتے ہوئے اس کو جو ان
کے ساتھ ہے"۔ بعض نے "الحق" کا ترجمہ "حق" ہی رہنے دیا ہے اور بعض نے "سچا" کیا ہے۔ بعض نے
"هو الحق" کا ترجمہ "وہ کتاب سچی ہے" کیا ہے۔ ظاہر ہے اس میں لفظ "کتاب" تفسیری اضافہ ہے
"مصدقا" کا ترجمہ بعض نے تو لفظی (بطور اسم الفاعل) "تصدیق کرنے والا" ہی کیا ہے تاہم بعض نے
اردو محاورے کی خاطر اس کا ترجمہ فعل مضارع کی طرح "تصدیق کرتا / کرتی ہے" کی صورت میں کیا
ہے۔ جو بلحاظ مفہوم و محاورہ تو بالکل درست ہے۔ "لِمَا معهم" کا ترجمہ بعض نے ان کے پاس

والی تے سے کیا ہے بلکہ بیشتر حضرات نے 'ساتھ' (مع) کی بجائے "پاس" (عِندَ کی طرح) ترجمہ کیا ہے یعنی اس کی جو ان کے پاس ہے' کی صورت میں۔ البتہ جن حضرات نے 'لما معہم' کا ترجمہ 'ان کی کتاب کو' (جو ان کی کتاب ہے' کیا ہے یہ ترجمہ کی حد سے تجاوز ہے یعنی تفسیر ہے ترجمہ نہیں۔

۲:۵۶:۱(۵) [قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ] اس عبارت میں نیا مرکب لفظ "فَلِمَ" ہے مگر دراصل اس کے اجزاء (فَ + لِ + ما) بھی پہلے زیر بحث آ چکے ہیں۔ الفاظ کا ترجمہ مع ضروری حوالہ درج ذیل ہے:۔

① "قُلْ" جس کا مادہ (قول) اور وزن اصلی 'اُفْعُلْ' ہے اس کے فعل مجرد (قال یقول۔ کہنا) پر پہلی دفعہ البقرہ: ۸ [۲:۷:۱(۵)] میں بات ہوئی تھی اور یہی صیغہ امر 'قُلْ' پہلی دفعہ اپنی تعلیل وغیرہ کی وضاحت کے ساتھ البقرہ: ۸۰ [۲:۵۰:۱(۲)] میں گزرا ہے ترجمہ ہے "تو کہہ دے"۔

② "فَلِمَ" کی "فاء (ف)" عاطفہ بمعنی پس/پھر ہے اور "لِمَ" دراصل لام الجر (لِ) اور "ما" استفہامیہ (بمعنی کیا؟) کا مجموعہ ہے عربی زبان کے استعمال میں جب 'مَا' استفہامیہ سے پہلے کوئی حرف الجر لگتا ہے تو 'مَا' کا الف گرا دیا جاتا ہے جیسے 'فیمَا' سے 'فِیمَ'، 'عَمَّا' سے 'عَمَّ'۔ 'مِمَّا' سے 'مِمَّ' ہو جاتا ہے نحوی اس کی وجہ 'مَا' خبریہ اور 'مَا' استفہامیہ میں فرق کر سکنا بتاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب "ما" خبریہ (موصولہ) ہو تو حرف الجر کے ساتھ لگنے سے بھی اس کا آخری الف نہیں گرتا۔ "فیما" کا مطلب ہو گا "جس چیز کے بارے میں" اور "فِیمَ" کا مطلب ہے "کس چیز کے بارے میں؟" اسی طرح "لِمَا" کا مطلب ہے "جس کے لیے، جس کا" اور "لِمَ" کا مطلب ہے "کس کے لیے، کس کا" اسی کا بامحاورہ ترجمہ "کیوں؟" بنتا ہے اور یوں "فَلِمَ" کا ترجمہ ہوا "پس کیوں؟" "تو پھر کیوں؟" اور "تو کیوں؟"

③ "تقتلون" کے مادہ (قتل) اور فعل مجرد (قتل یقتل۔ مار ڈالنا) پر پہلی بار البقرہ: ۵۴ [۲:۳۴:۱(۴)] میں کلمہ "فاقتلوا" کے ضمن میں بات ہوئی تھی۔ اور خود یہی صیغہ فعل "تقتلون" (تم قتل کرتے ہو) البقرہ: ۸۵ [۲:۵۲:۱] میں گزر چکا ہے۔ زیر مطالعہ عبارت میں سیاق عبارت (بیان واقعہ یا قصہ) کی وجہ سے "تقتلون" کا ترجمہ "کنتم تقتلون" کی طرح "تم مار ڈالتے تھے/قتل کرتے رہے ہو/قتل کیا کرتے تھے" کی صورت میں کیا جائے گا بعض نے "شہید کیا" اور "قتل کیا" یعنی ماضی مطلق کی شکل میں (قتلتم کی طرح) ترجمہ اسی سیاق عبارت کے لیے کیا ہے۔

④ "انبیاءَ اللّٰہِ" (اللہ کے نبیوں کو/پیغمبروں کو) اس میں لفظ "انبیاءَ" اپنی موجودہ شکل میں تو پہلی دفعہ آیا ہے تاہم یہ لفظ "نبیّ" کی جمع مکسر ہے اور لفظ "نبیّ" کے مادہ (نبأ) سے فعل مجرد وغیرہ پر تو البقرہ: ۳۱ [۲:۲۲:۱(۵)] میں کلمہ "انبئونی" کے ضمن میں بات ہو چکی تھی اور لفظ "نبیّ" کی ساخت اور اس کی

شکل اصلی اور وزن وغیرہ کے بارے میں بحث البقرہ: ۶۱ میں کلمہ "النبیین" (جو "نبی" کی جمع سالم معرف باللام اور منصوب صورت ہے) کے ضمن میں [۲:۳۹:۱:۱(۷)] میں دیکھئے۔

⑤ "من قبل" (پہلے ہی، پہلے بھی) ٹھیک یہی ترکیب پہلی دفعہ البقرہ: ۲۵ [۲:۱۸:۱:۱] میں گزر چکی ہے

● اس طرح اس عبارت کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "پس کیوں تم قتل کرتے ہو اللہ کے نبیوں کو پہلے بھی"۔ تقتلون کا بصیغۂ ماضی مطلق یا ماضی استمراری ترجمہ مع وجہ اوپر بیان ہوا ہے۔ "اللہ کے نبیوں" کے بجائے "خدا کے پیغمبروں" بلحاظ مفہوم تو درست ہے تاہم اسم جلالت کے ترجمہ کی ضرورت نہیں اور "پیغمبروں" بھی "رسل" یا "مرسلین" کا ترجمہ ہے، اگرچہ دونوں لفظ قریباً ہم معنی اور مترادف ہیں۔ "من قبل" کا ترجمہ اس کے محذوف مضاف الیہ کے ساتھ "اس سے پہلے" بھی ہو سکتا ہے، تاہم اس کے بغیر والا ترجمہ زیادہ بہتر ہے۔ یعنی بصورت "پہلے بھی تو"۔

۲:۵۶:۱:۱(۶) [إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ] اس کے ابتدائی حصے "إِنْ كُنْتُمْ" (جو "إِنْ" شرطیہ بمعنی "اگر" اور "کنتم" بمعنی "تم تھے" کا مجموعہ ہے) پر مکمل بحث البقرہ: ۲۳ [۲:۱۷:۱:۱(۱)] میں گزر چکی ہے۔ کلمہ "مؤمنین" کے مادہ باب وغیرہ پر تو البقرہ: ۳ [۲:۲:۱:۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ اور خود کلمہ "مؤمنین" پہلی دفعہ البقرہ: ۸ [۲:۱۷:۱:۱(۵)] کے بعد گزر چکا ہے۔

● اس طرح عبارت کا لفظی ترجمہ تو ہے "اگر تھے تم ایمان لانے والے"۔ "إِنْ" شرطیہ کی وجہ سے فعل ماضی "کنتم" کا ترجمہ فعل حال سے کیا جانا چاہیے یعنی "اگر تم ہو"۔ تاہم آیت کے سابقہ حصے اور سیاقِ قصہ کی بنا پر یہاں بھی (تقتلون کی طرح) ترجمہ فعل ماضی کے ساتھ مناسب ہے یعنی "اگر تم تھے"۔ "مؤمنین" کا اصل ترجمہ تو بطور اسم الفاعلین "ایمان لانے والے / رکھنے والے" ہونا چاہیے اسی لیے بعض نے "واقعی ایمان والے تھے" سے ترجمہ کیا ہے، تاہم یہاں بھی اردو محاورہ کی مجبوری کے باعث بصورت فعل ماضی (مطلق یا استمراری۔ یعنی "آمنتم" یا "کنتم تومنون" کی طرح) سے کیا گیا ہے، یعنی "ایمان رکھتے تھے"۔ بعض نے "اگر تم مسلمان تھے" سے ترجمہ کیا ہے، جسے عوامی ترجمہ کہہ سکتے ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے "اگر تمہیں اپنی کتاب پر ایمان تھا"۔ اس میں "اپنی کتاب" تفسیری اضافہ سمجھ کر قبول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بعض نے "اگر تم تورات پر ایمان لائے تھے" سے ترجمہ کر دیا ہے۔ یہ بھی ایک طرح سے توحدِ ترجمہ سے تجاوز ہے، کیونکہ "تورات پر" بھی تفسیری اضافہ ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ "اگر تم صاحبِ ایمان ہوتے" سے ترجمہ کیا ہے جو بہت عمدہ ترجمہ ہے جس میں "اگر" کے ساتھ "ہوتے" لگانے سے شرط اور ماضی دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور "مؤمنین" (اسم الفاعلین) کی رعایت فعل کی بجائے

"صاحب ایمان" کے لفظ میں رکھ لی گئی ہے۔ اس جملہ شرطیہ کا جواب کیا ہے؟ اس پر بھی آگے "حصۃ الاعراب" میں بات ہوگی۔

۲:۵۶:۲ الاعراب

اعراب اور نحوی ترکیب کے لیے اس آیت کو پانچ جملوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن میں سے دو جملے تو حالیہ ہونے کے باعث بلحاظ مضمون اپنے ذوالحال بننے والے جملوں کا حصہ ہی ہوں گے۔ ہر ایک جملے کے اعراب اور اس کے ماقبل جملے کے ساتھ تعلق کی تفصیل یوں ہے۔

① واذا قیل لھم آمنوا بما انزل اللہ

[وَ] مستانفہ اور [اذ] ظرفیہ شرطیہ ہے [قِیْلَ] فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ [لَھُمْ] جار (لام الجر) اور مجرور (ضمیر ھم) مل کر متعلق فعل "قِیْلَ" ہیں۔ [آمِنُوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے [بِمَا] جار (بِ) اور مجرور "مَا" (جو اسم موصول ہے) مل کر متعلق فعل "آمنوا" ہیں۔ یا اگر "باء" کو صلۂ فعل سمجھیں تو "بِمَا" مفعول ہو کر محلاً منصوب ہے۔ [اَنْزَلَ] فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب اور [اللّٰہُ] اس کا فاعل (لہٰذا مرفوع) ہے۔ اور یہ جملہ فعلیہ "انزل اللّٰہُ" اسم موصول "ما" کا صلہ ہے بلکہ دراصل یہ سارا صلہ موصول "ما انزل اللہ" حرف الجر "ب" کے ساتھ مل کر متعلق فعل (آمنوا) یا اس کا مفعول (لہٰذا محلاً منصوب) بنتا ہے۔ تاہم بعض دفعہ نحوی حضرات صرف "بما" (موصول مجرور) کو ہی متعلق فعل یا مفعول محلاً منصوب کہتے ہیں اور صلہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا جملے میں اعرابی مقام ہی کوئی نہیں۔ ویسے یہاں "بما انزل اللہ" میں "ما" کے لیے ایک عائد ضمیر محذوف ہے۔ یعنی اصل عبارت (بلحاظ مفہوم) "بما انزلہُ اللّٰہُ" بنتی ہے۔ یہ جملہ ابھی مکمل نہیں ہوا، اس لیے کہ ابھی "اذا" شرطیہ کا جواب نہیں آیا، بلکہ صرف بیان شرط ہی مذکور ہوا ہے۔

② قالوا نؤمن بما انزل علینا

[قالوا] فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ہے اور یہاں سے جواب شرط شروع ہوتا ہے۔ [نؤمِنُ] فعل مضارع معروف صیغہ جمع متکلم ہے جسے ہم "قالوا" کی وجہ سے مذکر کا صیغہ سمجھ سکتے ہیں۔ (ورنہ "نؤمن" تو مذکر مؤنث میں مشترک ہے) [بِمَا] جار (بِ) اور مجرور ("ما" موصولہ) مل کر متعلق فعل "نؤمن" ہیں (یا مفعول سمجھ کر محلاً منصوب کہہ لیجئے) [اُنْزِلَ] فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور [عَلَیْنَا] جار (علی) اور مجرور (ضمیر "نا") مل کر متعلق فعل "اُنزِلَ" ہیں۔ اور جملہ "نؤمن بما اُنزِل علینا" ابتدائی صیغۂ فعل "قالوا" کا مفعول (مقول) ہو کر محل نصب میں ہے اور یہ سارا جملہ "قالوا.....

علینا" سابقہ جملے (۱) کا جواب شرط ہے۔ اس طرح جملہ ۱ اور ۲ مل کر (شرط اور جواب شرط مل کر) دراصل ایک ہی بڑا جملہ بنتے ہیں۔ مگر ان کا ہی حصہ ایک حالیہ جملہ بھی ہے جو آگے آرہا ہے۔

③ ویکفرون بما وراءہ

[وَ] حالیہ ہے اور [یکفرون] فعل مضارع معروف ہے ضمیر الفاعلین "ھم" ہے [بِمَا] باء الجر اور "ما" موصولہ اس کی وجہ سے مجرور ہے اور یہ مرکب جاری متعلق فعل "یکفرون" ہے یا باء الجر یہاں صلۂ فعل [یکفرون] ہے اور یوں "بِمَا" مفعول ہو کر محل نصب میں ہے۔ [وراءہ] "وراءَ" ظرف (لہٰذا منصوب) اور مضاف ہے ضمیر مجرور "ہ" مضاف الیہ ہے اور یہ دراصل "مَا" موصولہ کی ضمیر عائد ہے۔ اور یہ مرکب اضافی (ظرف) اسم موصول "مَا" کا صلہ ہے جس میں کچھ حصۂ عبارت محذوف مگر مفہوم ہے مثلاً "بماھو موجود وراءہ" یا "بما اُنزِل وراءہ" وغیرہ۔ یہ پورا جملہ (واو الحال کی وجہ سے) حالیہ ہے اور اس کا ذوالحال فعل "قالوا" (اوپر جملہ ۲ والا) کی ضمیر الفاعلین (ھم) ہے یعنی "وہ کہتے ہیں .... حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں ...."۔ یہ زیر بحث جملہ اسی جملہ (۲) کے صیغۂ فعل "نؤمن" کی ضمیر الفاعلین (نحن) کا حال نہیں ہو سکتا ورنہ اس جملے (۳) میں "یکفرون" کی بجائے "نکفر" آنا چاہیے تھا۔ حالیہ جملہ ہونے کے لحاظ سے یہ جملہ (۳) سابقہ دو جملوں (۱ و ۲) کا ہی ایک حصہ (بلحاظ مضمون) ہے مگر اس سے اگلا جملہ (۴) خود اس جملے (۳) کے "یکفرون" کے مفعول (ماوراءہ) کا حال ہے' اس لیے وہ بھی اسی کا حصہ شمار ہو گا جیسا کہ ابھی بیان ہو گا۔

④ وھو الحق مصدقا لما معھم

[وَ] حالیہ ہے اور اس کے بعد والا جملہ حالیہ سابقہ جملے (۳) کے "ماوراءہ" کا حال بنے گا جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے۔ [ھو] ضمیر مرفوع منفصل ـــ مبتدا ہے اور [الحق] اس کی خبر معرف باللام ہے جس کا زور اردو کے لفظ "ہی" سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ [مصدقاً] حال (لہٰذا) منصوب ہے اور یہ "الحق" کے معنی میں شامل (اور مفہوم) فعل میں مستتر ضمیر کا حال مؤکدہ ہے، مثلاً "وھو ماثبت مصدقاً" یا "ھو الحق ثابتٌ مصدقاً"۔ یہ فعل یا اسم الفاعل کی ضمیر کی بات نحوی لحاظ سے اس لیے ضروری ہے کہ خبر اگر کوئی اسم ہو تو اس کے ساتھ حال نہیں آسکتا۔ مثلاً "ھو زیدٌ قائماً" کہنا درست نہیں ورنہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ (صرف) کھڑا ہوتے ہوئے زید ہوتا ہے (بیٹھا ہو تو نہیں) البتہ "ھو زید موجود (یا حاضر) قائماً" کہہ سکتے ہیں۔ "الحق" مصدر ہے، اس میں ضمیر نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کا حال اس ضمیر فاعل کا حال ہی سمجھا جا سکتا ہے جو اس کے معنی میں داخل ہو۔ [لِمَا] جار مجرور (لام الجر +

ما موصولہ) مل کر "مصدقاً" (کے معنی فعل یعنی "تصدیق کرتا ہے") سے متعلق ہے اور [معھم] ظرف مکان "مع" اپنے مضاف الیہ (ھم) سمیت "ما" کا صلہ ہے اور یہاں بھی محذوف (مگر مفہوم) عبارت کچھ یوں ہے "لما ھو موجود معھم"

● اس طرح دراصل مندرجہ بالا چاروں جملے نہ صرف بلحاظ مضمون بلکہ بلحاظ نحوی ترکیب بھی ایک ہی طویل جملہ بنتے ہیں اور یہ پُورا جملہ دراصل یہاں (۹۱ کے بعد) ختم ہوتا ہے۔اسی لیے یہاں اس کے بعد وقفِ مطلق کی علامت (ط) ڈالی جاتی ہے۔اوپر اس طویل جملے کے چھوٹے چھوٹے چار اجزاء بنا کر اعراب بیان کیے گئے ہیں تاکہ ترجمہ کی اصل بنیاد کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

⑤ قُل فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مومنین

[قُلْ] فعل امر واحد مذکر حاضر ہے۔[فَلِمَ] کی "فاء" عاطفہ بلحاظ معنی وہ "فاء" ہے جو عموماً جوابِ شرط پر آتی ہے مگر یہاں کوئی شرط بیان نہیں اس لیے ایسے موقع پر "فاء" کو "الفاء الفصیحۃ" بھی کہتے ہیں یعنی وہ ایک فصیحانہ انداز میں ایک مقدر (غیر مذکور مگر مفہوم) شرط کی طرف اشارہ کرتی ہے مثلاً "ان کانت دعواکم صحیحۃ فلِمَ" (اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو پھر کیوں . .) ___اور اس "فاء" کو جملے کے آخر پر آنے والی شرط (ان کنتم مومنین) کے جواب مقدم کی ابتدائی فاء (رابطہ) بھی کہہ سکتے ہیں۔"لِمَ" استفہام (مرکب) ہے۔[تقتلون] فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر ہے۔[انبیاءَ] فعل (تقتلون) کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے۔"انبیاءَ" ویسے غیر منصرف جمع مکسر ہے اور یہاں یہ آگے مضاف بھی ہے تاہم اس کا آخر بوجہ اضافت "ءً" اسے "ءِ" نہیں ہوا بلکہ یہ غیر منصرف ہونے کے باعث حالتِ نصب میں مفتوح ہی ہے۔اگر یہ آگے مضاف نہ بھی ہوتا تو بھی اسی طرح (انبیاءَ) ہی رہتا۔

[اللہ] مضاف الیہ (انبیاء کا) لہٰذا مجرور ہے۔[من قبل] جارّ (من) اور مجرور (قبلُ) مل کر متعلق فعل (تقتلون) ہیں۔یہاں "قبلُ" مقطوع الاضافۃ (یعنی آگے مضاف الیہ کے مذکور نہ) ہونے کے باعث ضمہ (ـُـ) پر مبنی ہے۔[اِن] حرف شرط ہے [کنتم] فعل ناقص ہے جس میں اس کا اسم "انتم" شامل ہے [مومنین] فعل ناقص (کان) کی خبر (لہٰذا) منصوب ہے۔علامتِ نصب آخری نون (اعرابی) سے ماقبل کی "یاء ساکنہ ماقبل مکسور (ـِـی)" ہے۔اس جملہ شرطیہ (ان کنتم مؤمنین) جو دراصل صرف بیانِ شرط ہے، کی خبر یا تو کوئی مقدر جملہ ہو سکتا ہے مثلاً "تو ایسا کیوں کرتے رہے"۔زیادہ مناسب یہ ہے کہ دراصل "فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل" ہی اس کا جوابِ شرط ہے جو مقدم ہے اور جو مقدر جوابِ شرط پر بھی دلالت کرتا ہے۔

۳:۵۶:۲ الرسم

زیر مطالعہ آیت کے تمام کلمات کا رسم املائی اور رسم قرآنی (عثمانی) یکساں ہے۔ اس لیے کسی بحث کی ضرورت نہیں۔

۴:۵۶:۲ الضبط

زیر مطالعہ آیت کے کلمات کے ضبط میں تنوع زیادہ تر ــــ ساکن حروف علت، الف الوقایۃ، ساکن نون کے اخفاء، اظہار یا اقلاب بمیم ــــ اور افریقی مصاحف میں ف اور ق کے طریق اعجام کے علاوہ ق متطرفہ اور نون متطرفہ کے عدم اعجام ــــ سے تعلق رکھتا ہے جسے آپ ذیل کی مثالوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَاِذَا، إِذَا، اِذَا / قِيْلَ، قِيلَ، قِيلَ، فِيلَ / لَهُمْ، لَهُمْ / اٰمِنُوْا، اٰمِنُوا، ءَامِنُوا / بِمَا، بِمَا، بِمَا / اَنْزَلَ، أَنزَلَ، أَنزَلَ / اللّٰهُ، اللَّهُ، اللَّهُ / قَالُوْا، قَالُوا، قَالُوا، فَالُوا / نُؤْمِنُ، نُؤْمِنُ / بِمَا (مثل سابق) / اُنْزِلَ، أُنزِلَ، أُنزِلَ / عَلَيْنَا، عَلَيْنَا / وَيَكْفُرُوْنَ، يَكْفُرُونَ، يَكْفُرُونَ / بِمَا (مثل سابق) / وَرَآءَهٗ، وَرَآءَهُ، وَرَاءَهُ / وَهُوَ، وَهُوَ / الْحَقُّ، الْحَقُّ، الْحَقُّ / مُصَدِّقًا، مُصَدِّقًا، مُصَدِّقًا / لِمَا (بما کی طرح) / مَعَهُمْ، مَعَهُمْ / قُلْ، فُلْ / فَلِمَ، فَلِمَ / تَقْتُلُوْنَ، تَقْتُلُونَ، تَفْتُلُونَ / اَنْۢبِيَآءَ، اَنْبِيَآءَ، أَنْبِيَاءَ، ءَانْبِيَاءَ / اللّٰهِ (مثل سابق)، مِنْ، مِن، مِن / قَبْلُ، فَبْلُ / اِنْ، إِن، اِن / كُنْتُمْ، كُنتُمْ، كُنتُمْ / مُؤْمِنِيْنَ، مُؤْمِنِينَ، مُؤْمِنِينَ، مُؤْمِنِينَ۔